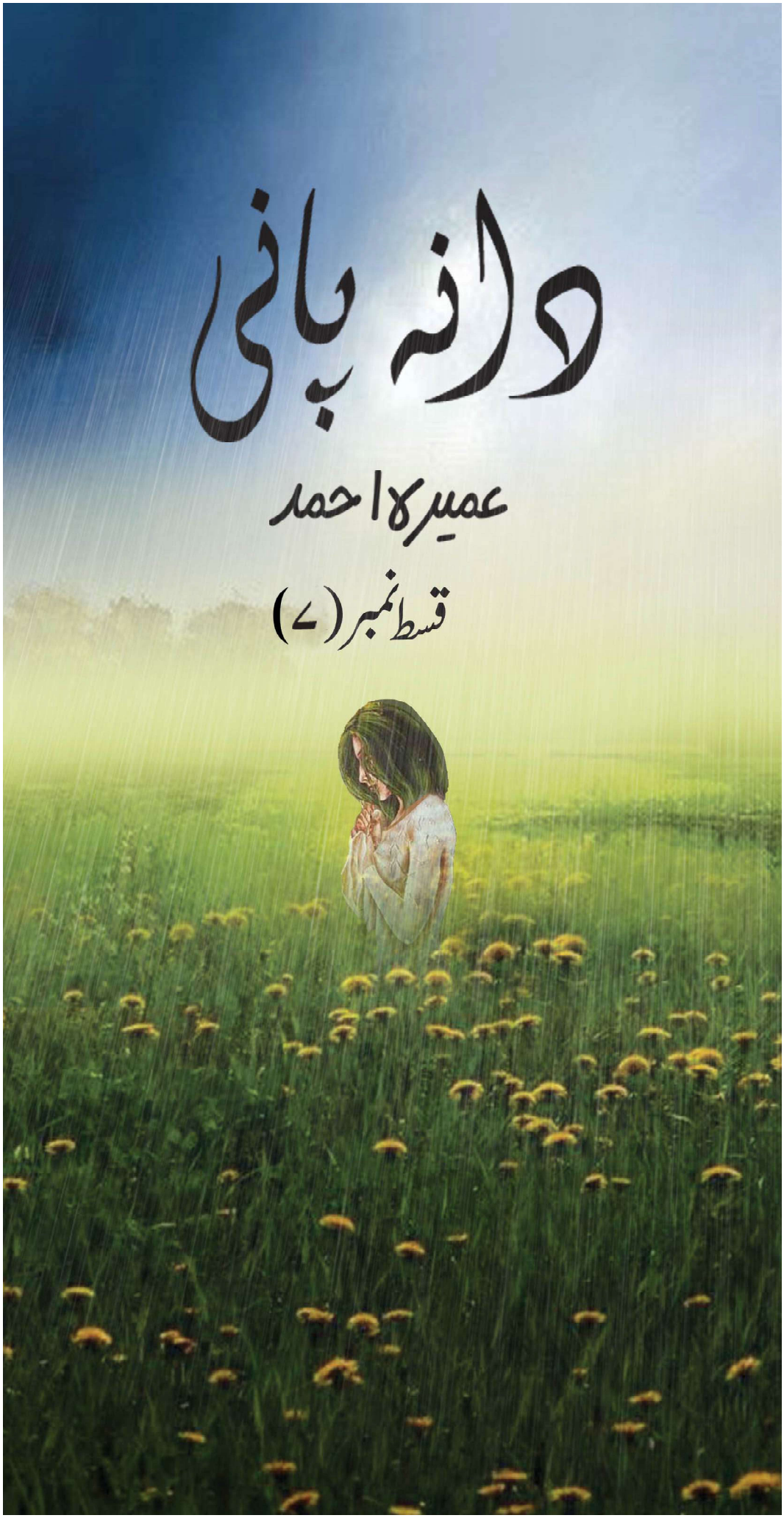
دانہ پانی
عمیرہ احمد
قسط نمبر (۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دانہ پانی

قسط نمبر 07

عمیرہ احمد

کپڑا پھٹے تے لگے تروپا
دل پھٹے کی سینا
سجناں باج محمد بخشا
کیہہ کرنا کیہہ جینا

UA BOOKS

''چل موتیا بس دیکھ لی ہے تُو نے بارات، اب نیچے اتر۔ یہ نہ ہو کسی کی نظر لگ جائے۔'' اللہ وسائی نے ڈھول تاشوں کے شور میں اُسے بازو سے پکڑ کر منڈیر سے پیچھے ہٹایا تھا۔ موتیا نے ایک لمحہ کے لئے پلٹ کر مراد کو دیکھنا چاہا پر وہ دیکھ نہیں سکی۔ اللہ وسائی کے ہاتھ کی گرفت ایسی ہی سخت تھی۔ سکّوں کی برسات میں وہ کھلکھلاتی ہوئی اللہ وسائی کے ساتھ لکڑی کی سیڑھی سے نیچے اُترنے لگی تھی اور اُس نے اُترتے ہوئے اپنے صحن کو دیکھا تھا جس میں ہر طرف سکّے بکھرے ہوئے تھے۔ کچھ گھومتے، ناچتے گر رہے تھے..... کچھ گر چکے تھے۔ وہ واقعی بارش کی بوندوں کی طرح برس رہے تھے۔

موتیا نے ایسا منظر پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا اور ایسا منظر تو اُس گاؤں نے بھی پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا کہ بوریوں کی بوریاں سکّوں کی یوں لُٹائی جا رہی تھیں اور سکّے گلی کے ساتھ ساتھ دائیں بائیں لوگوں کے گھروں میں بھی اچھالے جا رہے تھے۔ مگر ایک گھر میں وہ خاص طور پر اُچھالے جا رہے تھے، اور وہ گھر گاموکا تھا، اور گاموگلی میں بارات کا یہ طمطراق دیکھ رہا تھا۔ اُچھالے ہوئے سکّے پکڑنے کی چھینا جھپٹی نے بارات کو جیسے ایک ہی جگہ کھڑا کر دیا تھا۔ بارات آگے جا ہی نہیں پا رہی تھی۔ اور تب ہی گاموکو خیال آیا کہ اُسے خود چوہدری شجاع کو سلام کرنا چاہیے۔ اُسے بگّھی سے اُتارنا چاہیے۔ وہ آگے گیا تھا اور اُس نے کُھلی بگّھی میں بیٹھے چوہدری شجاع اور تاجور کو دیکھا پھر عاجزی کے ساتھ اُس نے چوہدری شجاع کی طرف کا دروازہ کھول کر اُنہیں سلام کیا۔ چوہدری شجاع نے سلام کا جواب دیا۔

''ملنی یہیں کر لیں چوہدری جی یا بارات کو آگے جانے دیں۔'' اُس نے اپنے کندھے پر پڑی

چادر سیدھی کرتے ہوئے شور شرابے میں آواز بلند کرتے ہوئے چوہدری شجاع سے کہا۔ وہ اُلجھا۔

''کیسی ملنی گامو؟'' گامو نے اُس کا چہرہ دیکھا پھر نہ سمجھنے والے انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔

''ہماری طرف بڑا میں ہی ہوں چوہدری جی اور آپ کی طرف آپ۔''

چوہدری شجاع کو کرنٹ لگا تھا۔ اُس نے بے اختیار برابر میں بیٹھی تاجور کو دیکھا جس نے بڑے اطمینان سے گامو سے کہا۔

''تمہارے گھر بھی دانوں کی بوری اور کپڑے آئیں گے گامو۔ گاؤں کے ہر گھر میں چوہدریوں کی طرف سے جائے گا یہ تحفہ۔ یہ میرے بیٹے کی جان کا صدقہ ہے۔ اُس کی شادی کا تحفہ۔ آگے سے رستہ صاف کرواؤ۔ بارات نے آگے گزر کر جانا ہے۔ ہمیں دیر ہو رہی ہے، اگلے گاؤں میں پہنچتے پہنچتے اور بھی دیر ہو جائے گی۔''

تاجور نے بے حد تنفر سے بڑے تحکمانہ انداز میں اُس سے کہا تھا اور گامو کو یوں لگا جیسے اُس کے کانوں میں کسی نے پگھلا ہوا سیسہ اُنڈیلا ہو۔

''چوہدرائن جی نے کیا کہا تھا بارات کس گاؤں جا رہی تھی اور کیوں جا رہی تھی؟ اُس کا گھر تو یہیں تھا۔'' اُس نے عجیب سکتے کی سی کیفیت میں سوچا تھا۔ چوہدریوں کے ایک ملازم نے بگّھی کے کئے راستہ صاف کروالیا تھا اور اب بگّھی گامو کو پیچھے چھوڑ کر آگے سرک گئی تھی۔ چوہدری شجاع نے بُت بنے کھڑے گامو کے پاس سے بگّھی پر بیٹھے گزرتے ہوئے تاجور سے پوچھا۔

''تم نے گامو کو بتایا نہیں تھا کہ بارات اُس کے گھر نہیں آ رہی؟'' اُنہوں نے جیسے اپنے کسی خدشے کی تصدیق کرنا چاہی تھی۔ تاجور نے عجیب سے انداز میں مسکراتے ہوئے شوہر سے کہا۔

''نہیں..... اُس نے سوچ کیسے لیا کہ چوہدری کی بارات کمّی کمینوں کے گھر آئے گی۔''

چوہدری شجاع نے جواباً اُسے جن نظروں سے دیکھا تھا، تاجور اُن سے نظریں چرا گئی۔ اُس نے اطمینان سے منہ موڑ لیا تھا۔

''تُو نے ظلم کیا تاجور!'' اُس نے شوہر کو ملامت بھری آواز میں بڑبڑاتے سُنا تھا مگر اُس نے پھر بھی شوہر کو دیکھا نہیں تھا۔ وہ صرف چوہدری تھا اور تاجور کو یقین تھا کہ وہ سیّد بھی تھی اِس لئے اُسے سب معاف تھا..... سات خون بھی..... یہ تو بس گامو کی عزت تھی اور موتیا کا دل..... یہ بھلا کس کھاتے میں آتا تھا۔

بگّھی گامو کے پاس سے گزر گئی تھی اور گامو کے ہاتھ سے ملنی کی وہ سفید چادر گر گئی تھی جو اُس نے قرض لئے ہوئے پیسوں کے ساتھ لی تھی۔ موتیا کی شادی کے لئے اُس نے بہت سارے لوگوں سے

پیسے پکڑے تھے۔ جتنے بھی ہو سکتے تھے۔ وہ چوہدریوں کی حیثیت کے مطابق شادی نہیں کر سکتا تھا، مگر وہ اپنی حیثیت سے بڑھ کر تو شادی کر سکتا تھا اور اب وہ سفید کھدّر کی چادر گاؤں کی دھول مٹّی میں اٹی پڑی تھی اور گاموکو لگ رہا تھا اُس کے اردگرد سکّے پکڑتے گاؤں کے لوگ سکّے نہیں اُس کی عزت کی دھجیاں نوچ رہے تھے۔ وہ ساری سرگوشیاں جنہیں وہ اتنی دیر سے کانوں سے دماغ تک جانے ہی نہیں دے رہا تھا، اب ایک بار پھر اُس کے کانوں میں سرسرانے لگی تھیں۔

''چوہدری شجاع نے اپنے سالے کی بیٹی کے ساتھ کیا ہے رشتہ.....''

''بارات وہیں جا رہی ہے اور چوہدری مراد کی مرضہ سے ہوا ہے یہ سب کچھ.....''

''تجھے کسی نے بتایا نہیں گاموؔ؟''

وہ سرگوشیاں ڈھول تاشوں پر حاوی ہوگئی تھیں۔ وہ چوہدری مراد کی بارات نہیں تھی، وہ گاموکی عزت کا جنازہ تھا جو چوہدریوں نے نکالا تھا۔ گاموکو کبھی زندگی میں غصہ نہیں آیا تھا۔ وہ حق باہو کا کلام پڑھ پڑھ کر ڈرنے اور رونے والا انسان تھا۔ پر اُس کی زندگی میں غصہ کا پہلا لمحہ وہاں آیا تھا اور غصہ بھی نہیں وہ طیش تھا وہ جیسے اس وقت وہاں سب کو مار دینا چاہتا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں کوئی ہتھیار ہوتا تو وہ یہی کرتا، ہر اُس کے ہاتھ تو کیا گھر تک میں کوئی ہتھیار نہیں تھا..... کچھ بھی نہیں جس سے گاموا پنے غصے کا اظہار کرتا۔ چوہدریوں کی تذلیل کرتا..... حساب برابر کرنے کی کوشش کرتا۔ اللہ نے اُسے چیونٹی بنایا تھا اور چوہدریوں کو ہاتھی..... اور یہ احساس گاموکو زندگی میں پہلی بار ہوا تھا۔ اُس کی موتیا کا دل ٹوٹنے والا تھا اور گاموکی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کر گزرے۔

بارات اُس ہی طرح آہستہ آہستہ چل رہی تھی لوگ اُس ہی طرح اچھالے ہوئے سکّوں کو لوٹنے میں مگن تھے۔ وہاں کسی کو اس وقت گاموسے ہمدردی کرنے اور افسوس کرنے کے لئے بھی وقت نہیں مل رہا تھا۔ دانوں پر پلنے والے لوگ سکّے دیکھ کر آپے سے باہر ہو رہے تھے۔ گاموبھاگتا ہوا اپنے گھر کا دروازہ کھول کر اندر آ گیا تھا۔ صحن میں صرف اللہ وسائی تھی جو اُسے دیکھ کر ہنستے ہوئے زمین پر پڑے سکّے دکھاتے ہوئے کہنے لگی۔

''دیکھ گاموؔ، سکّوں کی بارش کر دی ہے چوہدریوں نے..... میں تو یہ سارے وار کر پھینکوں گی موتیا سے۔''

''چوہدری مراد کی بارات ہمارے گھر نہیں آئی۔ وہ پیر صاحب کے گھر جا رہی ہے دوسرے گاؤں۔'' گاموؔ نے اُس کی بات سُنے بغیر غضبناک انداز میں کہا تھا۔

''دے میرا کلہاڑا اللہ وسائی۔ میں نے کسی کو نہیں چھوڑنا آج۔ میں چوہدری مراد کے ہی ٹوٹے کردوں گا آج پھر دیکھوں گا کس کی بارات لے کر جاتے ہیں پیر صاحب کے گھر۔'' وہ صحن میں اپنا کلہاڑا ڈھونڈتے ہوئے چلّا یا تھا، اور اندر کمرے میں موتیا نے باپ کا ہر جملہ سُنا تھا اور ہر جملے نے اُس کے دل کو کاٹا تھا۔

''تجھے غلط فہمی ہو رہی ہے گامو ایسا ہو ہی نہیں سکتا! میں آپ جا کے پوچھتی ہوں باہر بارات تو گلی میں ہے۔'' حواس باختہ اللہ وسائی کی سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ گامو کو روکے کہ بارات کو۔

''کوئی فائدہ نہیں اللہ وسائی انہوں نے مذاق اُڑایا ہے ہمارا.....میری دھی کی عزت رول دی میں بھی اُن کی نسل ختم کردوں گا آج۔'' گامو کو کلہاڑی مل گئی تھی۔ وہ لکڑیوں کے اُس ڈھیر پر تھی جو گھر کا ایندھن تھا۔ کلہاڑی کو برق رفتاری سے ٹھوکتے ہوئے وہ پلٹا تھا جب موتیا کمرے سے نکل کر باپ کے رستے میں آ گئی تھی۔ گامو نے بیٹی کو دلہن کے روپ میں دیکھا اور اُس کے وجود کی آگ جیسے بھانبڑ بن گئی تھی۔

''نہ ابّا نہ.....مراد کو نہ مارنا۔'' وہ سامنے آئی تھی اور اُس نے باپ کے ہاتھ سے کلہاڑی پکڑ کر کھینچ لی تھی اور گامو مزاحمت ہی نہیں کر سکا تھا۔

''وہ بارات لے کر چوہدرائن کی بھتیجی بیاہنے جا رہا ہے موتیا۔'' گامو نے جیسے موتیا کو خبر دی تھی۔

''جانے دے ابّا۔ ہم اُنہیں نہیں روک سکتے۔'' گامو نے بیٹی کا چہرہ دیکھا۔

وہ حُسن سات گاؤں میں نہیں تھا اور اُس حُسن پر وہ روپ گامو کو تو پوری دُنیا میں نظر نہیں آیا تھا۔ اُس نے بڑوں سے سُنا تھا روپ روتا ہے.....آج اُس نے دیکھ لیا تھا۔

''چل موتیا پھر اُس کو مارتے نہیں، اُس پر تھوک کر آتے ہیں۔'' گامو نے بیٹی کا ہاتھ پکڑا تھا۔

''اُن کو دکھاتے ہیں کہ تجھے کوئی فرق نہیں پڑا تیرے لئے مراد بڑے.....'' کلہاڑی موتیا کے ہاتھ سے چھوٹ گئی تھی۔ گامو اُس کا ہاتھ کھینچتا ہوا اُسے لکڑی کی سیڑھی کی طرف لے گیا اور وہ میکانکی انداز میں سیڑھی چڑھتی گئی۔

''تُو نے رونا نہیں موتیا.....ایک آنسو نہ آئے تیری آنکھ میں.....تُو نے بارات پر تھوکنا ہے۔''

گامو اُس کا ہاتھ پکڑے اُسے منڈیر کی طرف لے جاتا کہتا گیا۔ وہ خالی آنکھوں کے ساتھ باپ کے حکم کی تعمیل میں منڈیر پر جا کر کھڑی دُلہن بنی اپنے محبوب کی بارات دیکھنے لگی تھی جو اُس کے بجائے کسی دوسرے کے گھر جا رہی تھی۔ سکّے ہوا میں اب بھی اُچھل رہے تھے اور اُن کے گھر کی چھت اور صحن میں

گر رہے تھے۔ڈھول، تاشوں کی آوازیں بھی اُس ہی طرح آ رہی تھیں۔ نیچے صحن میں اللہ وسائی دھاڑیں مار مار کر روتے ہوئے چوہدریوں کو بددعائیں دے رہی تھی اوپر چھت پر گامو پاگلوں کی طرح بارات پر منہ بھر بھر کے تھوک رہا تھا۔اوراس سب کے بیچوں بیچ ایک موتیا تھی جواب بغیر دوپٹے کے چھت پر کھڑی تھی۔ ماتھے پر ٹیکا لگائے، مراد کی پشت دیکھ رہی تھی جو گھوڑے پر بیٹھا تھا اور اُس کے دروازے کے سامنے سے گزر چکا تھا۔ وہ اُسے دیکھتی ہی رہ گئی تھی۔گامو کی آواز اس کے کانوں میں آ رہی تھی جو اُسے اُس پر تھوکنے کا کہہ رہا تھا۔وہ اُس پر کیسے تھوک سکتی تھی؟ وہ اُس کا مراد نہیں تھا، اُس کی مراد تھا۔

تاجور نے گامو اور موتیا دونوں کو چھت پر کھڑے دیکھا تھا، اُس نے گامو کو بارات پر تھوکتے بھی دیکھا تھا۔اُس کی بگّھی اُس وقت اُس کے دروازے کے سامنے سے گزر رہی تھی۔

''یہ کمّی کمین میرے بیٹے کی بارات پر تھوکے گا؟ اس کی اتنی جرأت۔'' تاجور تڑپی تھی اور اُس نے چوہدری شجاع سے کہا تھا جس نے سر اُٹھا کر گامو کو دیکھا تھا پھر اُس کے برابر کھڑی موتیا کو۔ ننگے سر والی اُس دلہن کو دیکھ کر چوہدری شجاع کا سر جھک گیا تھا۔

''ہم اس ہی قابل ہیں تاجور.....تھوکنے دے۔شاید اُس کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے اور وہ بددعا نہ دے۔'' چوہدری شجاع نے بیوی سے کہا تھا اور تاجور کو مشتعل کر دیا تھا۔

''ہم کوئی بیٹیوں والے ہیں کہ اُس کی بددعاؤں سے ڈریں گے، ہم بیٹے والے ہیں۔''

اُس نے تن کے شوہر سے کہا تھا اور پھر موتیا کو دیکھا تھا جو اُسے نہیں دیکھ رہی تھی وہ اب بھی اُس کے بیٹے کو دیکھ رہی تھی جو دور جا رہا تھا۔تاجور کو اُس کی نظر، اُس کے انداز سے خوف آیا۔اُس نے آج واپسی پر بھی بیٹے کا صدقہ اُتارنا تھا۔گیارہ بکرے ذبح کرنے تھے۔اب بائیس کا طے کر لیا تھا اُس نے۔

بارات موتیا کی گلی سے گزر گئی تھی۔گلی کے سارے لوگ بارات کے ساتھ ہی آگے چلے گئے تھے۔اُنہیں آج وہاں تک سکّے پکڑنے تھے جہاں تک بارات سکّے لٹاتی۔ڈھول تاشوں کی آوازیں اب دور ہو گئی تھیں۔گامو نے جیسے ہار کر خالی گلی کو دیکھا تھا پھر موتیا کو جو اب بھی کھڑی گلی میں اُس طرف دیکھ رہی تھی، جہاں سے بارات گئی تھی۔گامو کو پہلی بار اُس کے ننگے سر کا خیال آیا۔

اُس نے اُس دوپٹے کو ڈھونڈا تھا جو چھت کے ساتھ ٹکی سیڑھی پر اٹکا ہوا تھا۔اُس نے دوپٹہ لا کر موتیا کے سر پر ڈالا تھا۔پھر بیٹی کا چہرہ دیکھا تھا۔وہ اب بھی روئی نہیں تھی۔بس گلی کے بجائے باپ کو دیکھنے لگی تھی۔اُس کی آنکھوں میں پانی نہیں تھا، مگر اُس کی آنکھوں میں اب اور کچھ بھی نہیں تھا۔غم، درد، شکوہ، کچھ بھی نہیں.....اُس کی آنکھیں خالی آنکھیں تھیں۔

گاموا اُس کا ہاتھ پکڑے اُسے نیچے لے آیا۔ وہاں صحن میں اللہ وسائی نڈھال بیٹھی تھی۔ وہ شادی کا گھر نہیں میّت والا گھر لگ رہا تھا۔

''دیکھ اللہ وسائی تیری بیٹی کتنی دلیر ہے، ایک آنسو نہیں بہایا اِس نے۔''

گامو نے صحن میں آتے ہی اپنی بیوی سے کہا تھا۔ اُسے اب جیسے گھر کی ان دونوں عورتوں کو تسلّی دینے کے لئے مرد بننا تھا۔ ہمّت اور حوصلے والا مرد۔

اللہ وسائی نے موتیا کا چہرہ دیکھا تھا اور وہ اُٹھ کر کھڑی ہوگئی تھی۔ وہ ماں تھی، ایک نظر میں اُس کے دل تک پہنچ گئی تھی۔ موتیا کے سامنے کھڑے ہو کر اُس نے بیٹی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا تھا۔ وہ آنکھیں جیسے کنویں کی آنکھیں تھیں۔ سوکھے کنویں کی آنکھیں۔ اللہ وسائی نے سینے پر ہاتھ مارا تھا پھر موتیا سے کہا۔

''تو نے رونا ہے نا موتیا، تُو رو لے..... میری دھی دل نہ بن..... غم نہ پی..... سب کچھ اُگل دے..... سب کچھ بہا دے۔''

وہ ماں کی طرح اُسے کندھوں سے پکڑے جھنجھوڑتی رہی۔ موتیا گم صم اُس ہی طرح کھڑی اُسے دیکھتی رہی۔ نہ وہ روئی تھی، نہ اُس نے کوئی آواز نکالی تھی۔ گاموا اور اللہ وسائی اپنے گھر کے صحن کا دروازہ بند کئے بکھرے سکّوں کے بیچوں بیچ موتیا کی زبان کھولنے کی کوشش کرتے رہے، پتہ نہیں اُسے کیا کیا سُناتے اور بتاتے رہے کبھی اُسے سینے سے لگاتے، کبھی اُس کے ہاتھ پاؤں رگڑتے رہے۔ موتیا نے نہیں بولنا تھا وہ نہیں بولی۔ اُس نے رونا نہیں تھا، وہ نہیں روئی۔ اُس کے ماں باپ روتے رہے اور وہ بت بنی انہیں دیکھتی رہی۔

غم کچھ لوگوں کو سمندر کر دیتا ہے، کچھ کو بنجر اور کچھ کو غم، ہوش و خرد سے پرے لے جا کر بٹھا دیتا ہے۔

موتیا نے زندگی میں محبت کر کے بس ایک نافرمانی کی تھی اپنی مرضی کی محبت کر کے اور وہ نافرمانی اُس کے ساتھ ساتھ اُس کے ماں باپ کو بھی لے ڈوبی تھی۔ وہ اب اُس نافرمانی کو لے کر رب کے سامنے کھڑی ہوگئی تھی۔ رب کے سامنے ہر کوئی کبھی بھی جا کر کھڑا ہو سکتا ہے۔ رب ماں کی طرح مرہم رکھتا ہے، بندے کے کرچی کرچی وجود کو اس طرح جوڑ دیتا ہے کہ لکیر بھی ڈھونڈنے سے نہیں ملتی اور رب بعض دفعہ کرچی کرچی وجود کی وجہ بننے والوں کو بھی اس ہی طرح کرچیوں میں توڑ دیتا ہے۔

چوہدری شجاع نے ٹھیک کہا تھا۔ تاجور نے ظلم کیا تھا..... غلط دل کو توڑ بیٹھی تھی..... وہ گاموا اور اللہ وسائی کی موتیا کا دل تھا..... اُس تحفے اور نعمت کا دل تھا جو رب نے اُن دونوں کی نیکیوں کے عیوض انہیں

عطا کیا تھا۔

☆.....☆.....☆

چوہدری شجاع نے مراد کی بارات کے پورے راستے دوبارہ تاجور سے بات نہیں کی تھی اور تاجور نے اُسے مخاطب کرنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ اُسے یقین تھا چوہدری شجاع کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا جیسے ہمیشہ ہو جاتا تھا۔

چُپ صرف چوہدری شجاع کو نہیں لگی تھی مراد کو بھی لگ گئی تھی۔ تاجور نے شوہر کو نظر انداز کر دیا تھا پر بیٹے کا بُجھا ہوا چہرہ اور خاموشی اُس سے برداشت نہیں ہو پا رہی تھی۔ وہ ساری رسموں میں خاموش رہا تھا۔ جو وہ کہتی رہی وہ کرتا رہا۔ تاجور کو لمحہ بھر کے لئے موتیا کی گلی میں یہ خدشہ ہوا تھا کہ وہ آخری لمحہ میں اُس سے بغاوت نہ کر بیٹھے مگر مراد نیا ایسا کچھ بھی نہ کرک ے جیسے اُس کی گردن کی اکڑ کو اور بڑھا دیا تھا۔ کس کا بیٹا تھا جو یوں پردیس سے آ کر بھی ماں باپ کے کہنے پر وہاں شادی کرے جہاں وہ چاہتے تھے۔ تاجور نے یہ جملہ وہاں کئی لوگوں سے سُنا اور ساتھ اپنے لئے تعریفی جملے بھی۔

ماہ نور کو وہ بڑی شان و شوکت سے بیاہ کر لے آئی تھی اور اُسے یقین تھا ماہ نور کا حسین چہرہ دیکھتے ہی مراد موتیا کو بھول جائے گا۔ وہ موتیا جیسی حسین نہ سہی، مگر بہر حال حسین تھی اور سولہ سنگھار کے ساتھ وہ کم از کم اُس رات موتیا سے کم بھی نہیں لگ رہی تھی۔

وہ رات گئے اپنے کمرے کی کھڑکی بند کرنے کے لئے اُٹھی تھی، جب اُس نے رات کے پچھلے پہر مراد کو صحن میں لگے ہوئے موتیے کے پودوں کے درمیان چکّر کاٹتے دیکھا۔ تاجور کو لگا کسی نے اُس کا دل لمحہ بھر کے لئے پکڑ کر کھینچا تھا۔ وہ یہاں کیسے تھا، اُسے تو ماہ نور کے پاس ہونا چاہیے تھا۔ تاجور جیسے لپکتے ہوئے باہر آئی تھی۔

''مراد! خیریت تو ہے نا؟'' اُس کی آواز پر مراد چکّر کاٹتے کاٹتے رکا تھا اور اُس نے ماں کو دیکھا۔

''جی.....''

''تو یہاں کیا کر رہے ہو؟ اندر دُلہن کے پاس جاؤ۔ وہ تمہارا انتظار کر رہی ہو گی۔'' تاجور نے اُس کی پشت کو تھپکا۔

وہ ماں کو دیکھتا رہا، پوچھنا چاہتا تھا وہ اُس کی بارات کو موتیا کے دروازے کے سامنے سے کیوں لے کر گئیں تھیں؟ یہ بھی پوچھنا چاہتا تھا کہ موتیا دُلہن بنی چھت پر کیوں کھڑی تھی؟ کیا وہ اُس کے انتظار میں تھی؟ کیا کسی نے اُسے مراد کی ماہ نور سے شادی کے بارے میں نہیں بتایا تھا؟ وہ پتہ نہیں ماں سے وہاں

کھڑے کھڑے کیا کیا پوچھنا چاہتا تھا پر کچھ بھی پوچھنے کی چاہ ہی نہیں رہی تھی اُسے۔ کسی سوال کا صحیح جواب موتیا کو اُس کا نہیں کر سکتا تھا۔ کسی سوال کا غلط جواب ماہ نور کو اُس کی زندگی سے نہیں نکال سکتا تھا۔ وہ ماں کا چہرہ دیکھتا رہا اور پھر اندر چلا گیا۔ تاجور کا دل جیسے ہلکا ہوا۔

''کچھ دنوں میں ٹھیک ہو جائے گا، چند دنوں میں بھول جاتے ہیں سب محبت کو بھی اور محبوب کو بھی..... جو نظر نہیں آتا، وہ یاد بھی نہیں رہتا۔''

تاجور کو یہ فلسفہ پتہ نہیں کس نے سمجھایا تھا۔

☆.....☆.....☆

مراد اپنے کمرے میں گیا تھا جو موتیے اور گلابوں سے بھرا ہوا اور سجا ہوا تھا۔ اُس وسیع و عریض کمرے کی فضا اُن ہی دونوں پھولوں کی خوشبو سے مہک رہی تھی اور مراد صرف موتیا کی خوشبو ہی محسوس کر رہا تھا۔ وہ اُس کے دل و دماغ پر نہیں حواس پر سوار تھی۔ وہ موتیا کو دیکھتا یا موتیا کے پھول کو، اُس کی آنکھوں کے سامنے بس ایک ہی چہرہ آتا تھا جو اب اُس وقت بھی آ گیا تھا جب وہ اپنے حجلۂ عروسی میں داخل ہوا تھا، اور اُس نے سُرخ لباس میں ملبوس ماہ نور کو اپنے بستر پر براجمان دیکھا تھا۔ کسی چھت پر کھڑی سُرخ دوپٹہ اوڑھے موتیا کا ٹیکہ سجایا چہرہ اُس کی آنکھوں کے سامنے جھلملایا تھا اور بس جھلملاتا ہی گیا تھا۔

پتہ نہیں کہاں کہاں سے درد اُٹھا تھا اور کہاں سے ہوک۔ مراد کا دل چاہا تھا وہ اُلٹے قدموں اُس کمرے سے بھاگ جائے۔ وہ جو کر بیٹھا تھا اُس کا بھیانک پن اُس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اُس نے آنکھیں بند کر کے اُس کے چہرے کو جھٹکا تھا۔ سانس روک کر جیسے اپنے آپ کو اُس کے تصویر سے آزاد کیا تھا۔ پھر دوبارہ بستر پر بیٹھی اُس دُلہن کو دیکھا تھا جس کا کوئی قصور نہیں تھا۔ اچھا یا بُرا جو بھی فیصلہ تھا، مراد کا تھا۔ اُس کا اپنا۔ پھر اب ماتم کرنے کا کیا فائدہ۔ اُس نے جیسے خود کو خود ہی پھٹکارا تھا۔

''وہ بے وفا تھی، وہ بدکردار تھی، وہ تیرے لائق نہیں تھی مراد تو کیوں پچھتاووں میں پڑ رہا ہے۔''

اُس نے جیسے خود کو سب کچھ یاد دلایا۔ کنویں پر اُس رات کا وہ منظر، موتیا کے ساتھ کھڑا سعید۔ وہ بکھری چوڑیاں، وہ اُڑتا دوپٹہ۔ دل ایک لمحہ کے لئے گونگا ہوا تھا۔ دماغ نے ایک بار پھر مراد کی پیٹھ تھپکی تھی۔

''اچھا کیا جو بھی کیا..... اچھا کیا جو بھی کیا۔''

وہ تکرار اُس کے کانوں میں ہونے لگی تھی۔ موتیا کا چہرہ اُس تکرار میں غائب ہو گیا تھا۔ مراد نے کمرے میں جگ میں پڑا پانی گلاس میں ڈال کر پیا، اپنی قمیض کی جیب سے وہ کنگن نکالے جو اُس کی ماں

نے ماہ نور کے لئے دیئے تھے اور وہ ماہ نور کے پاس آ کر بستر پر بیٹھ گیا تھا جو گھونگھٹ کاڑھے دھڑکتے دل کے ساتھ اپنے جیون ساتھی سے اپنی پہلی مدح سرائی کی منتظر تھی۔ اُسے بھی یقین تھا، اُس کا حسن اس طرح سج دھج کر مراد کے سامنے آئے گا تو اُس کی نظروں کو تو باندھ ہی لے گا۔ دل کا کیا ہے، وہ تو آہستہ آہستہ بدل ہی جاتا ہے۔

اُس نے موتیا کے بارے میں سُنا تھا۔ اُس نے یہ بھی سُنا تھا کہ مراد نے اپنی مرضی سے اُسے چھوڑا تھا۔ ماہ نور کو مراد پسند تھا۔ اُسے کسی موتیا، چمپا، چنبیلی میں دلچسپی تھی نہ پروا۔ وہ تو پورے خاندان کی مرضی سے اُس مرد کے ''نکاح'' میں آئی تھی جس کو اُس نے چاہا تھا۔ پھر اس سے کیا فرق پڑتا تھا کہ اُس کی زندگی میں پہلے کوئی موتیا تھی یا نہیں۔ وہ اب تو صرف اُس کا ہوا تھا اور اپنی مرضی سے ہوا تھا۔ ماہ نور کے لئے اتنا کافی تھا۔

مراد نے اُس کا گھونگھٹ اُٹھائے بغیر اُس کی کلائیوں میں وہ کنگن ڈالے تھے اور کوئی لفظ ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی جن کی مدد سے وہ اُس سے بات شروع کرتا۔ وہ موتیا ہوتی تو اُسے لفظ ڈھونڈنے نہیں پڑتے۔ وہ ماہ نور تھی اور ماہ نور سے مراد کیا بات کرتا۔ وہ چپ اُس کے سامنے بیٹھا رہا اور ماہ نور گھونگھٹ میں منہ چھپائے سر جُھکائے اُس کے بولنے کا انتظار کرتی رہی۔

بہت دیر کے بعد مراد نے بالآخر اُس کا گھونگھٹ اُٹھایا تھا اور اُس کے چہرے پر پہلی نظر ڈالتے ہی اُس کے منہ سے بے اختیار ''موتیا!'' نکلا تھا۔ چھت پر کھڑی سرخ دوپٹے والا وہ چہرہ ایک بار پھر وہاں آ گیا تھا اور اس بار وہ ماہ نور اور اُس کے بیچ آ گیا تھا۔ مراد مبہوت اُس چہرے کو دیکھتا رہا اور ماہ نور نے پلکیں اُٹھا کر بھی مراد کو دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ موتیا کے لفظ نے اُسے بُت بنا دیا تھا۔ مراد اب اپنی انگلیوں سے اُس کا چہرہ چھو رہا تھا جیسے کوئی بت تراش اپنے سب سے دلپسند شاہکار کو چھوتا ہے۔ وہ اُس کے ماتھے کے ٹیکے کے چاند کو اپنی انگلی سے ہلکورے دے رہا تھا۔ اُس کے ناک کی بالی کے سُرخ موتی کو اُس کے سرخ ہونٹوں سے چھونے سے ہٹا رہا تھا۔ اس کے کانوں کے جھمکوں کو جھلا رہا تھا اور ماہ نور نے تب پہلی بار مراد کا چہرہ دیکھا تھا اور اس کی آنکھوں میں اُسے موتیا نظر آئی تھی اپنا وجود نہیں۔ مراد کی آنکھوں کا والہانہ پن اس کے لئے نہیں تھا۔ وہ ایک بار پھر اس کے کانوں میں سرگوشی کر رہا تھا۔ موتیا۔ اور وہ لمحہ تھا جب ماہ نور نے چاہا تھا کاش وہ موتیا ہی ہوتی یا وہ مراد نہ ہوتا۔

☆.....☆.....☆

''چوہدرائن جی نے اچھا نہیں کیا میرے دل کو تو بڑا صدمہ ہوا ہے اس طرح موتیا کی بے عزتی کا۔

بیٹیاں تو سب کی سانجھی ہوتی ہیں۔نہیں شادی کرنی تھیں نہ کرتیں پر اس طرح کسی کو آس لگا کر ذلیل کرنا.....توبہ.....توبہ! مجھے پتا ہوتا نا کہ ابھی تک گامو اور اللہ وسائی کو پتا ہی نہیں ہے کہ چوہدری اپنا بیٹا کہیں اور بیاہ رہا ہے تو میں خود جا کر اطلاع کر دیتی اُن کو۔ پر میں بھی بس تیرے ہی کاموں میں لگی رہی۔ اب صبح خیر سے بارات ہے تیری۔اللہ خیر سے وقت نبٹائے۔''

شکوراں رات گئے بتول کو لئے بیٹھی داج کے جوڑے بکسے میں رکھ رہی تھی اور ساتھ چوہدری مراد کی بارات کے بارے میں باتیں کر رہی تھی اور اپنے افسوس کا اظہار کر رہی تھی۔ مایوں کے کپڑوں میں ملبوس بتول کو یک دم پیاس لگی تھی۔

باہر صحن میں گھڑے سے پانی کا پیالہ بھر کر پیتے ہوئے اس کے کانوں میں ماں کی آواز گونجنے لگی تھی۔اُس کا دل عجیب سے انداز میں گھبرایا تھا۔شکوراں نے ٹھیک کہا تھا۔چوہدرائن کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔بتول بھی ماں سے متفق تھی اور احساس جرم کا شکار بھی اور اُسے رہ رہ کر موتیا کا خیال آ رہا تھا۔ پتا نہیں اس پر کیا گزر رہی تھی۔

اگر اس طرح سعید کی بارات اس کے دروازے کے سامنے سے گزر کر چلی جاتی تو؟ وہ جیسے ہول کر رہ گئی اور اس نے آگے کچھ سوچنا بھی نہیں چاہا تھا۔اندر بیٹھی شکوراں کچھ عجیب سی سوچ میں پڑی تھی۔ اُس کی بیٹی پچھلے کچھ دنوں سے کچھ عجیب سی ہو گئی تھی۔اس نے موتیا کے ساتھ ہونے والے ظلم پر ایک لفظ نہیں کہا تھا نہ ہی وہ سن کر موتیا کے گھر کی طرف بھاگی تھی۔

''تیری اور موتیا کی تو صلح ہے نا؟'' بتول کے پانی پی کر اندر آنے پر اُس کی ماں نے بغیر اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے پوچھا تھا اور بتول ماں کی نظروں سوال اور انداز پر گڑبڑائی تھی۔

''ہاں اماں میرے اور اس کے بیچ کیوں کوئی جھگڑا ہوگا؟ میرا تو دل دُکھ سے پھٹ رہا ہے۔ میں مایوں نہ بیٹھی ہوتی تو موتیا کے پاس جاتی اُس کا غم بانٹتی۔ پر اب اپنے مایوں کے جوڑے میں اُس کے سامنے جاؤں گی تو اس کا دل اور دُکھے گا۔'' بتول کو ماں کے کچھ کہے بغیر بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ ماں کیوں اس سے یہ سوال جواب کرنے بیٹھی تھی۔

''ہاں ٹھیک کہتی ہے تو۔ابھی تو جانا بھی مت اس کے پاس۔اللہ خیر سے تجھے کل اپنے گھر کا کرے پھر آ کر مل لینا موتیا سے۔'' شکوراں نے فوراً کہا۔اُسے بتول کی باتوں پر فوراً ہی بدشگونی کا خیال آنے لگا تھا۔ بتول کپڑوں کے اُس ڈھیر کو دیکھنے لگی۔ جو چوہدرائن نے اُسے دیئے تھے پورے اکیاون جوڑے اور ایک سے بڑھ کر ایک۔

''تیرا داج ایسا ہوگا کہ تیرا سسرال سالوں باتیں کرے گا اس کی۔'' چوہدرائن نے اس سے کہا تھا۔ بتول کمرے میں پڑی چیزیں دیکھنے لگی۔ سامان کا ڈھیر سعید کے گھر چلا بھی گیا تھا۔ تاجور نے پھر بھی اور بہت کچھ بھیج دیا تھا۔ پتا نہیں سامان کے اس ڈھیر کو دیکھ کر بتول کو خوشی کیوں نہیں ہو رہی تھی۔

کچھ تھا جو اُسے پریشان کر رہا تھا، تنگ کر رہا تھا۔ اس کی ماں رات گئے لالٹین کی روشنی میں جوڑے ٹانکتے ہوئے ایک ٹپہ گانے لگی تھی اور بتول کی آنکھوں کے سامنے صرف موتیا کا چہرہ آ رہا تھا۔ پتا نہیں وہ کس حال میں تھی اور اگر کبھی اُسے یہ پتا چل گیا کہ یہ سب کچھ میں نے کیا ہے تو وہ کیا کرے گی؟ اُس نے جیسے موتیا کے ممکنہ ردعمل کے بارے میں سوچنے کی کوشش کی تھی۔

اُس کے ذہن میں کوئی جواب نہیں آیا تھا۔ وہ جانتی تھی موتیا کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ وہ بے بس تھی۔ بتول پھر بھی بیٹھے سوچی جا رہی تھی۔ اس نے سعید کو پانے کے لئے بہت بڑی قیمت ادا کی تھی۔ اس نے موتیا نہیں کھوئی تھی اپنے ایمان کا بھی سودا کیا تھا۔ بتول نے سوچا تھا وہ سعید سے شادی کے بعد فوراً حج یا عمرے پر جائے گی اور اللہ سے توبہ کرے گی۔ پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بستر پر لیٹتے ہوئے اس نے جیسے اپنے آپ کو تسلی دی۔ اس کے کانوں میں اب بھی شکوراں کے ٹپے کی آواز گونج رہی تھی۔

مکھڑے دا تل ماہیا

اساں تیرے نال جانا

چاہے ویچاں دل ماہیا

☆.....☆.....☆

تاجور پانی کا ایک گھونٹ بھی نہیں لے سکی تھی۔

''یہ کہاں کا پانی لا کر رکھ دیا ہے؟'' اس نے ناراض ہو کر اس ملازمہ سے کہا تھا جو ناشتے کا سامان لا لا کر میز پر رکھ رہی تھی۔

''آج گامو پانی دے کر نہیں گیا تو گھر کے کنویں کا پانی ہی لا کر رکھا ہے۔'' ملازمہ نے ڈرتے ڈرتے اُسے بتایا۔

ایک لمحہ کے لئے تاجور خاموش رہی تھی پھر اُس نے تحکمانہ انداز میں ملازمہ سے کہا۔

''اسلم سے کہو گاؤں کے کنویں سے لے کر آیا کرے ہر روز پانی۔ اب بھی لے کر آئے۔'' ملازمہ اُس کے حکم پر بھاگی ہوئی چلی گئی تھی۔

''اور یہ گھر کے کنویں کی بھی صفائی ہونے والی ہے۔ اتنا بدذائقہ پانی تو کبھی بھی نہیں رہا اس کا۔''

اس نے دوسری ملازمہ کو گھر کے کنویں کی صفائی کی ہدایات دیں تھیں۔ وہ بھی گھر کے مرد ملازموں کو یہ ہدایات پہنچانے چلی گئی تھی۔ اور تب ہی ماہ نور سجی سنوری ہوئی سلام کرتی کمرے میں داخل ہوئی۔ تاجور جیسے فدا ہونے والے انداز میں اس کے لئے اُٹھی اور اُسے سینے سے لگا کر پیار کرتے ہوئے اس نے ناشتے کی میز پر بٹھایا تھا وہ ولیمے کی صبح تھی اور تاجور نے گہری نظروں سے ماہ نور کو دیکھا تھا۔ یوں جیسے یہ کھوجنا چاہتی تھی کہ ماہ نور کے چہرے پر دلہناپے کی خوشی اور چمک تو تھی۔ وہ سیدھا سیدھا ماہ نور سے یہ سوال نہیں کر سکتی تھی کہ مراد کو موتیا یاد تو نہیں آئی تھی نا۔ ماہ نور کا چہرہ اُسے کسی گہری سوچ میں لگا۔ وہ سر سے پیروں تک زیورات میں لدی پھندی تھی پر پھر بھی تاجور کو لگا جیسے وہ ذہنی طور پر کہیں اور تھی۔ تاجور نے اپنی رائے کو جیسے خود ہی جھٹلاتے ہوئے اس سے کہا تھا۔

''بیٹا مراد کہاں ہے؟ وہ تیار نہیں ہوا ابھی تک؟''

ماہ نور نے جواباً ساس کو دیکھتے ہوئے مدھم آواز میں کہا تھا۔

''وہ تو صبح سویرے ہی کہیں چلے گئے تھے۔ اس کے بعد کمرے میں نہیں آئے۔ میں سمجھ رہی تھی وہ آپ کے پاس ہیں۔'' تاجور ایک لمحہ ٹھٹکنے کے بعد بولی۔

''ہاں آیا تھا صبح میرے پاس لیکن میں نے سوچا پھر تمہارے پاس چلا گیا ہے۔ شاید حویلی میں چہل قدمی کر رہا ہوگا۔ گوروں کی طرح اُسے عادت ہوگئی ہے ہر صبح سویرے اٹھ کر سیر کرنے کی۔'' تاجور نے ہنستے ہوئے جیسے بیٹے پر پردہ ڈالا تھا۔ تب ہی ملازمہ کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

''چھوٹے چوہدری کو دیکھو حویلی میں کہاں ہیں؟'' تاجور نے اسے ہدایت دی تھی۔

''وہ تو جی صبح ہی گھوڑے پر بیٹھ کر کہیں چلے گئے تھے۔ میں جب حویلی آ رہی تھی تو میں نے اُنہیں جاتا دیکھا تھا۔'' ملازمہ نے اطلاع دی اور پراٹھوں کی چنگیر رکھ کر چلی گئی۔

''ہاں وہ گیا ہوگا صبح صبح نہر کنارے جایا کرتا ہے اکثر۔'' تاجور نے اس بار بہو سے نظریں چراتے ہوئے کہا تھا اور موضوع بدلنے کی کوشش کرتے ہوئے اس کے سامنے پلیٹ رکھتے ہوئے اس سے کہا۔

''بیٹا تم تو ناشتہ کرو..... آ جائے گا وہ تھوڑی دیر میں۔'' ماہ نور نے مراد کا انتظار کرنے کا اصرار نہیں کیا تھا۔ اُسے پتا تھا اس کی پھوپھی پردہ ڈالنے کی کوشش کر رہی تھی اور اس نے پھوپھی کا ساتھ دیا تھا۔

''ارے یہ تو پوچھا ہی نہیں میں نے کہ اس نے تمہیں منہ دکھائی میں کیا دیا۔'' تاجور نے اس کی کلائیوں میں کنگن دیکھنے کے باوجود بے نیاز نظر آنے کی اداکاری کرتے ہوئے پوچھا۔ پراٹھا اپنی پلیٹ میں رکھتے ہوئے ماہ نور سے تاجور کو دیکھا اور پھر کہا۔

''انہوں نے مجھے منہ دکھائی میں موتیا کا نام دیا تھا۔ میرا نام وہ بھول گئے تھے..... کہہ رہے تھے کسی نے انہیں بتایا ہی نہیں۔'' اس نے اتنے سادہ لہجے میں یہ بات کہی تھی تاجور پھر بھی کٹ کر رہ گئی تھی۔

وہ ماہ نور سے کچھ بھی کہنے اور پوچھنے کے قابل نہیں رہی تھی۔ ماہ نور ایک بار پھر اپنی پلیٹ کی طرف متوجہ ہوگئی تھی اور تاجور کی بھوک اُڑ گئی تھی۔ دونوں کے درمیان ایک لمبی خاموشی آئی تھی پھر تاجور نے اس سے کہا۔

''تمہارا نام اس کے نکاح نامے میں لکھا ہے تین بار قبول کیا ہے اُس نے تمہیں۔ بھول بھی جائے تو بھی تم یاد رہو گی اُسے۔ ہم مردوں کے ان چھوٹے چھوٹے معاشقوں کو دل پر نہیں لیتے۔'' تاجور نے بظاہر بڑے بے فکرانہ اور بے پرواہ انداز میں اُسے تسلی دینے کی کوشش کی تھی۔

ماہ نور چاہنے کے باوجود اُسے کہہ نہیں سکی کہ موتیا کا نام مراد کے دل پر لکھا ہے اور اس دل کو نکاح نامے کا کوئی پاس ہی نہیں تھا۔ پر وہ اس گھر میں دوسرے ہی دن تاجور سے بحث کیا کرتی۔ وہ فرمانبرداری کی صفت پر چنی گئی تھی اور اُسے یہاں فرمانبرداری ہی دکھانی تھی۔

ملازمہ پانی کا ایک نیا جگ لے کر آ گئی تھی۔ اُس نے گلاس میں پانی ڈال کر تاجور کو اطلاع دیتے ہوئے پانی کا نیا گلاس پیش کیا۔ تاجور نے وہ گلاس ماہ نور کی طرف بڑھاتے ہوئے اپنے لئے ایک نئے گلاس میں پانی ڈالا اور پانی کا پہلا گھونٹ لیتے ہی وہ بلبلائی تھی۔

''کہاں سے آیا ہے یہ پانی؟ یہ بھی کڑوا ہے۔'' اس نے ملازمہ پر چڑھائی کرتے ہوئے کہا تھا۔

''جی یہ تو گاؤں کے کنویں سے آیا ہے۔'' ملازمہ نے ڈر کر کہا تھا۔

''گاؤں کے کنویں کا پانی تو ہمیشہ میٹھا تھا کڑوا کیسے ہو گیا؟'' تاجور کو یقین نہیں آیا تھا کہ وہ گاؤں کے کنویں کا پانی تھا۔ تب ہی ماہ نور نے بھی گلاس اُٹھا کر پانی کا ایک گھونٹ پیا اور اُس نے جیسے حیران ہو کر تاجور کو دیکھا تھا۔

''تجھے بھی کڑوا لگا ہے نا؟ دیکھا میں کہہ رہی تھی جھوٹ بول رہے ہیں یہ نوکر یہیں کہیں سے لے آئے ہیں پانی۔'' تاجور نے اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی اندازہ لگایا تھا اور بولنا شروع کر دیا تھا۔

''پھوپھو پانی میٹھا ہے۔'' ماہ نور کے جملے پر تاجور ٹھٹکی تھی اس نے حیران ہو کر اس کی شکل دیکھی پھر ملازمہ کی، جس نے ماہ نور کے جملے پر جیسے ہمت باندھتے ہوئے کہا تھا۔

''جی چوہدرائن جی پانی میٹھا ہے میں بھی پی کر آئی ہوں ابھی۔'' تاجور نے عجیب سے انداز میں گلاس اُٹھا کر ایک گھونٹ اور لیا۔ پانی کی کڑواہٹ ویسی ہی تھی۔

''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا چوہدرائن جی کہیں چھوٹے چوہدری کی بارات کی تھکن کی وجہ سے طبیعت نہ خراب ہوگئی ہو۔ زبان کا ذائقہ اسی لئے خراب نہ ہوگیا ہو۔'' ملازمہ نے تشویش سے کہا تھا۔ تاجور نے کچھ بھی جواب نہیں دیا وہ پانی کے گھونٹ اسی طرح لینے لگی۔ پانی کڑوا تھا وہ قسم اٹھا کے کہہ سکتی تھی پر اب سب کو میٹھا لگ رہا تھا تو وہ یہ کیسے کہتی رہتی۔

''ہاں شاید تھکن ہی کی وجہ سے ہے۔ کام بھی تو اتنا کیا ہے۔ اتنی جلدی شادی کی تیاری کرنا کوئی آسان کام تھوڑی تھا۔'' تاجور نے ملازمہ کی بات پر یقین کرلیا تھا۔ پر کچھ تھا جو اُس کے ذہن میں کہیں اٹکا تھا۔

اس کا باپ ہمیشہ اُسے کہا کرتا تھا کہ کسی پر کیا جانے والا ظلم جب اللہ کو بہت ناپسند آئے تو وہ کوئی نہ کوئی نعمت واپس لے لیتا ہے۔ پتا نہیں اُسے اپنے باپ کی یہ بات اس وقت کیوں یاد آئی تھی۔ تاجور نے جیسے خود کو ہی ڈانٹا۔ نہ وہ ظالم تھی نہ اُس سے کوئی نعمت چھینی گئی تھی۔ ایک کنویں کا پانی کڑوا ہوگیا تو ہزار کنویں کھودے جاسکتے تھے۔ پانی میں گڑ ملا کر میٹھا کیا جاسکتا تھا۔ اس نے جیسے خود کو تسلی دی تھی۔ اور اس پانی سے اپنا دھیان ہٹانے کی کوشش کی تھی جواب بھی آدھے گلاس میں اس کے سامنے پڑا تھا۔

☆.....☆.....☆

پورے گاؤں نے اگلے کئی دن گامو اور اللہ وسائی کو گھر سے باہر نہیں دیکھا تھا اور نہ ہی ان کے گھر کا دروازہ کھلا تھا۔ آس پڑوس والے ہمدردی اور حال احوال پوچھنے کے لئے دروازہ بجاتے رہتے پر وہ دونوں اندر سے ہی نہ ملنے کا کہہ دیتے تھے۔ ان گاؤں والوں سے وہ کیا ملتے جو اس بارات میں لٹائے جانے والے سکے لوٹتے رہے تھے جس میں ان کی عزت کا جنازہ نکلا تھا۔

گامو اور اللہ وسائی نے ساری زندگی ان لوگوں کی خدمت کی تھی۔ ان کی غمی خوشی میں آگے بڑھ بڑھ کر حصہ ڈالا تھا پر ان میں سے کوئی اس وقت ان کی مدد کے لئے نہیں آیا تھا۔ ان میں سے بہتوں کو اندر خانے پتہ تھا کہ وہ بارات گامو کے گھر نہیں آنی تھی۔ پر پھر بھی انہوں نے گامو کو پہلے کچھ بھی نہیں بتایا تھا۔ گامو اور اللہ وسائی کا غصہ بجا تھا پر انہیں یہ پتا نہیں تھا کہ وہ گاؤں والے نہیں تھے۔ ''دنیا'' تھی اور ''دنیا'' تماشہ دیکھتی ہے تماشہ روکتی نہیں۔

گامو نے اپنے گھر اور صحن میں گرنے والا ایک ایک سکہ اُٹھا کر کسی نجس چیز کی طرح باہر گلی میں اُچھالا تھا۔ وہ چوہدریوں کے گھر سے آنے والی چیز تھی اور گامو کو اب چوہدریوں کے گھر کا دانہ تک نہیں چاہیے تھا سکہ تو الگ چیز تھی۔

گھر کے اندر دونوں میاں بیوی موتیا کے پاس بیٹھے رہتے جو اُسی حالت میں اب بھی تھی جس حالت میں اس بارات کے جانے کے بعد وہ گئی تھی۔ ماں باپ روتے اُس کے منہ میں لقمے ڈالتے پانی پلاتے۔ وہ چند لقمے لیتی پانی پیتی پھر لیٹ جاتی پر چپ کا روزہ اس نے اب بھی نہیں توڑا تھا اور گامو اور اللہ وسائی تڑپ رہے تھے۔ وہ اُسے پکارتے اُسے باتیں کرتے رہتے وہ چپ بیٹھی اُنہیں روتا بلکتا دیکھتی رہتی یوں جیسے وہ اس کے ماں باپ نہیں تھے یوں جیسے ان کے رونے سے اس کا غرض ہی نہیں تھی۔

''میں نے پیر صاحب کے پاس لے کر جانا ہے موتیا کو! میں نے اُنہیں دکھانا ہے کہ ان کے خاندان نے میری بیٹی کا کیا حال کیا ہے۔'' گامو نے ایک رات اللہ وسائی سے کہا تھا اور اس نے جواباً گامو سے کہا۔

''کوئی فائدہ نہیں گامو! کچھ نہیں ہوگا۔ انہوں نے اپنی پوتی بیاہ دی ہے چوہدریوں کے گھر۔ اُنہیں کیا پتا نہیں تھا کہ وہ میری موتیا کا نصیب تھا؟ میری موتیا کا نصیب چھیننے والوں سے میں موتیا کے حال کے لئے کیا دُعا کرواؤں۔'' اللہ وسائی غصے میں بولتے بولتے رونے لگی تھی۔

''دُعا نہیں کروانی اب میں نے اُن سے۔ کبھی کسی چیز کے لئے دُعا نہیں کروانی۔ پر شکایت تو کر کے آنی ہے میں نے اللہ وسائی! اپنی بیٹی کی حالت تو دکھانی ہے میں نے اُنہیں۔'' گامو اپنی بات پر مصر رہا تھا اور اللہ وسائی کو اس کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے تھے۔

اگلے دن گاؤں والوں نے بڑے دنوں کے بعد گامو کے گھر کا دروازہ کھلتے اور اُن تینوں کو گھر سے نکلتے دیکھا گامو اور اللہ وسائی کے درمیان اُن کا ہاتھ پکڑے چلتی موتیا کو کسی نے پہچانا ہی نہیں تھا۔ وہ دنوں میں جیسے سوکھ کر کانٹا ہوگئی تھی۔ گاؤں والوں نے راستہ روک کر گامو اور اللہ وسائی سے افسوس کا اظہار کرنے کی کوشش کی تھی پر اُن دونوں میں سے کسی نے اُن کا ''پرسہ'' نہیں لیا تھا۔ تماش بینوں کی کیا ہمدردی اور کیا افسوس۔

گامو نے پیر ابراہیم کے ڈیرے پر جا کر صرف شکایت کا سوچا تھا۔ پر اُسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہاں جا کر وہ رو پڑے گا۔ پیر ابراہیم موتیا کی حالت دیکھ کر چپ کے چپ ہی رہ گئے تھے۔

''کمی کمین ہیں ہم پر انسان ہیں پیر صاحب! آپ کی بیٹی اور نواسے نے یہ حال کیا ہے میری بیٹی کا۔'' گامو نے روتے ہوئے اُن سے سارا قصہ کھول کے رکھ دیا تھا۔

پیر ابراہیم کا دل لرز کر رہ گیا تھا۔ آج تک ان کے ڈیرے پر کوئی اُن سے اُن کے خاندان کے کسی فرد کی شکایت لے کر نہیں آیا تھا۔ اور اب آیا بھی تھا تو ان کی اکلوتی بیٹی تاجور کی شکایت کرنے۔ اس کے

بیٹے کے خلاف مقدمہ لے کر اور ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ جواب میں کیا کہیں۔ تاجور نے ان سے غلط بیانی کی تھی۔ لیکن اس غلط بیانی کے ساتھ اس نے جو کچھ گامو کے ساتھ کیا تھا وہ انہیں ہولا رہا تھا۔ یہ ایسا بدلہ ایسا انتقام ایسا غصہ کہاں سے لے لیا تھا اُس سیدزادی کی بیٹی نے جس کی ماں سے بڑا نرم دل کوئی تھا ہی نہیں۔

''آپ دُعا کریں ہمارے لئے کہ جنہوں نے ہم پر ظلم کیا وہ تباہ و برباد ہوں.....اُن کی اگلی نسلیں ختم ہو جائیں۔ ہم بدلہ نہیں لے سکتے اُن سے۔ اللہ بدلہ لے!''

اللہ وسائی نے پیر ابراہیم سے کہا تھا اور پیر ابراہیم ایک لفظ بھی نہیں کہہ سکے تھے۔ وہ ظالموں کو پہچانتے تھے۔ وہ اُن کا خون تھے اُن کی نسل تھے۔ اپنی نسل کو خود ختم ہو جانے کی بددُعا وہ کیسے دیتے؟ گامو جانتا تھا پھر بھی اصرار کر رہا تھا وہ جیسے اُن کی ولائیت کو چیلنج کر رہا تھا۔ اُن کے ڈیرے پر بیٹھے لوگوں کے سامنے اُس نے پیر ابراہیم کو عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کر دیا تھا۔ اُنہیں کٹہرے میں کھڑا ہو کر انصاف کرنا تھا۔

ایک لمبی خاموشی کے بعد پیر ابراہیم اپنی جگہ سے اُٹھے تھے اور وہ موتیا کے سامنے گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گئے تھے۔ اپنے ہاتھ جوڑتے ہوئے انہوں نے موتیا سے کہا۔

''میری بیٹی اور اُس کے خاندان کو بددعا نہ دینا موتیا۔'' وہ موتیا کے سامنے گڑگڑائے تھے۔

وہاں بیٹھے اُن کے مرید ساکت تھے۔ پیر ابراہیم کو اس حالت میں انہوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ سر جھکائے بیٹھی موتیا نے سر اُٹھا کر پیر ابراہیم کو دیکھا تھا اور دیکھتی ہی رہی تھی۔ پیر ابراہیم کے پاس ولایت عبادت اور ریاضت سے آئی تھی۔ سامنے بیٹھی ہوئی موتیا کے پاس وہ نہیں تھی۔ پیر ابراہیم پھر بھی اُس سے خوفزدہ تھے۔ وہ ٹوٹا ہوا دل تھا جسے سنبھالنے رب آ گیا تھا اور پیر ابراہیم مظلوم کی آہ سے کیسے نہ ڈرتے۔ لوگ اُن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے سے ڈرتے تھے۔ اور پیر ابراہیم کے لئے اس وقت موتیا کی آنکھوں میں دیکھنا مشکل ہو گیا تھا۔

گامو اور اللہ وسائی پیر ابراہیم کے بندھے ہوئے ہاتھ اور جھکا ہوا سر دیکھتے رہے اور پھر بے حد شکست خوردہ انداز میں وہ موتیا کا ہاتھ پکڑ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ اُن کے پاس مزید کہنے کو کچھ بھی نہیں تھا یہ بھی نہیں کہ انہوں نے چوہدریوں کو معاف کیا یہ بھی نہیں کہ اُنہیں پیر ابراہیم سے اب کوئی گلہ نہیں۔

پیر ابراہیم کے ڈیرے کے باہر اُس دن پہلی بار ماہ نور نے موتیا کو دیکھا تھا۔ وہ نئی دُلہن کی طرح سجی سنوری ملازمہ کے ساتھ ڈیرے کے برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔ اور موتیا اپنے ماں باپ کے

ہاتھ پکڑے سیڑھیاں اُتر رہی تھی۔ سیڑھیاں اُترتے ہوئے اُس نے سر اُٹھا کر ماہ نور کو دیکھا تھا اور جیسے اُس کی نظریں ماہ نور پر جم ہی گئی تھیں پر ماہ نور کی نظریں بھی اُس سے اُلجھی تھیں۔ گامو اور اللہ وسائی نے ماہ نور کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ بس اپنی بیٹی کے ہاتھ تھامے احتیاط سے اُسے سیڑھیاں اُتارتے رہے۔ ماہ نور نے سیڑھیاں چڑھنے سے پہلے ایک نظر پلٹ کر دور جاتی موتیا کو دیکھا تھا اور پھر ملازمہ سے پوچھا۔

''یہ کون تھی؟''

''موتیا تھی باجی.....گامو اور اللہ وسائی کے ساتھ.....لوگ کہتے ہیں یہ شیدائن ہوگئی ہے۔''

اُس کے ساتھ حویلی سے آئی ملازمہ نے بڑے افسوس والے انداز میں اُسے بتایا تھا اور ماہ نور جیسے سکتے میں آ گئی تھی۔ اُس نے بے یقینی کے عالم میں پلٹ کر دور جاتی ہوئی اپنی اُس رقیب کو دیکھا تھا۔ جس کے پاس اُس کے سر کے تاج کا دل تھا۔

''اسے کیا ہوا ہے؟'' اُس نے ملازمہ سے پوچھا۔ ملازمہ کی آنکھوں اور چہرے پر عجیب سا اثر آیا پھر اُس نے نظریں چُرا کر کہا۔

''مجھے نہیں پتا باجی جی۔'' ماہ نور نے وہاں کھڑے آتے جاتے لوگوں کے درمیان اُس سے مزید کچھ نہیں پوچھا۔

اُس نے آج وہ موتیا دیکھ لی تھی جس کے حسن کے قصے اُس نے کئیوں سے سنے تھے اور عشق کی داستانیں اُس نے مراد کی شکل میں دیکھ لی تھی۔ اُسے اس لٹی پٹی موتیا سے حسد نہیں ہوا تھا لیکن اُسے اس پر ترس بھی نہیں آیا تھا۔ ملازمہ کے گونگا ہو جانے پر بھی اُسے اندازہ تھا موتیا کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ اُس سے مراد چھن گیا تھا اور وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوگئی تھی اور وہ.....اُسے مراد مل گیا تھا اور وہ تب بھی ویسی ہی کنگال تھی۔

☆.....☆.....☆

''ابا جی مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہے ہیں آپ؟'' تاجور نے باپ سے بالآخر پوچھا تھا، جس نے پہلی بار اُس کے آنے پر اُٹھ کر اُس کا استقبال کیا تھا نہ اُس کا سر ماتھا چوما تھا۔

اُس نے صرف بیٹھے بیٹھے اُس کے سلام کا جواب دیا تھا اور پھر تسبیح کے دانے گراتا ہوا بس اُسے دیکھنے لگ گیا تھا اور اُس کے دیکھنے کے انداز نے تاجور کو پریشان کر دیا تھا۔ وہ بیٹے اور بہو کے ساتھ اُن سے ملنے آئی تھی مگر مراد اُنہیں چھوڑ کر واپس چلا گیا تھا اور تاجور کے اصرار پر بھی رُکا نہیں اور اب تاجور

اکیلے کمرے میں بیٹھی اپنے باپ کی کاٹ دار نظروں کا سامنا کر رہی تھی۔

''تو نے تاجور آج میرا سر اُن کے سامنے نیچا کر دیا جو ہمارے پاس دُعائیں کروانے آتے ہیں۔ تو نے آج مجھے اُن کے سامنے ہاتھ جوڑنے پر مجبور کر دیا۔'' پیر ابراہیم بالآخر لمبی خاموشی کے بعد بولے تھے۔

تاجور کا ماتھا ٹھنک گیا تھا۔ نام نہ لینے کے باوجود جیسے اُسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کس کی بات کر رہے تھے اور وہ بے چین ہوئی تھی اُس کے باپ نے آخر ان کے سامنے کیوں ہاتھ باندھے تھے کس لئے۔ اُس کا خون کھولنے لگا تھا۔ اُن کی جرأت کیسے ہوئی کہ وہ اُس کے باپ کے پاس اُس کی شکایت لے کر پہنچے تھے۔

''آپ کس کی بات کر رہے ہیں بابا جان؟'' اُس نے بظاہر انجان بننے کی کوشش کی تھی۔

''میں موتیا کی بات کر رہا ہوں۔ اُس کے ماں باپ لائے تھے اُسے میرے پاس اور جو کچھ تم نے کیا ہے، وہ دہرایا تھا انہوں نے میرے سامنے۔ یہ اتنا سخت دل تو نے کہاں سے لے لیا تاجور؟'' پیر ابراہیم نے دل گرفتگی سے کہا۔

''اُن کی جرأت کیسے ہوئی کہ وہ آپ کے پاس آ کر میری شکایت کریں!'' تاجور غضبناک ہوئی تھی اور پیر ابراہیم نے کہا تھا۔

''یہ گھمنڈ، تکبر تجھے تباہ کر دے گا تاجور! تیرے خاندان کو تباہ کر دے گا۔''

''بابا جان آپ اُن لوگوں کی حمایت نہ کریں! آپ ہمیشہ میرے خلاف اُن کی حمایت کرتے ہیں۔'' اُس نے اُسی بدتمیزی سے کہا تھا۔

''تیرے خلاف نہیں کھڑا..... ظالم کے خلاف کھڑا ہوں۔'' تاجور ایک لمحہ کے لئے بول نہیں سکی پھر جیسے شعلہ جوالہ بن کر بولی۔

''بابا جان میں ظالم ہوں؟ ظلم اُس کی بیٹی نے کیا میرے بیٹے کو ورغلایا، باغی بنایا، مجھ سے چھیننے کی کوشش کی! اور ظالم میں ہوں؟''

''تم کیوں بارات لے کر اُن کو ذلیل کرنے اُن کی گلی سے گزری تھی؟ مجھے اگر اُس دن پتا چل جاتا کہ تم بارات اُن کے گھر کے سامنے سے گزار کر لائی ہو تو میں ماہ نور کے بجائے موتیا کا نکاح ہی پڑھاتا مراد کے ساتھ۔'' تاجور یک دم اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

''آپ کیا چاہتے ہیں مجھ سے اب؟''

''تو جا کر موتیا کے سامنے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ۔ میرے جڑے ہوئے ہاتھوں پر انہوں نے مجھے معاف نہیں کیا۔'' تاجور کا دماغ گھوم گیا۔

''بابا جان میں اور کمی کمینوں کے سامنے جا کر ہاتھ جوڑوں یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔''

''تیرا غرور میرے خاندان کی گدّی لے جائے گا تاجور!'' تاجور نے باپ کا چہرہ بے یقینی سے دیکھا۔ وہ بہت بڑا جملہ بول رہے تھے۔

''گدّی ہمارے خاندان سے نکلے گی تو کہاں جائے گی ولایت؟ اُس ماشکی کی بیٹی کے پاس؟'' تاجور نے باپ کا مذاق اُڑایا تھا۔

''آپ کا مطلب ہے آپ کی بجائے لوگ اُس کے آستانے پر آ کر دُعائیں مانگیں گے؟ ایسا نہیں ہوسکتا بابا جان آپ ولایت ہوتے ہوئے بھی ایسی بات کر رہے ہیں۔ آپ سے زیادہ تو میں جانتی ہوں روحانیت کو۔'' تاجور نے کہا تھا۔

''تو روحانیت کو جانتی ہے، رب کو نہیں جانتی۔ تیرا غرور تاجور تیرے خاندان کو کھا گیا۔'' وہ کہتے ہوئے وہاں سے بے حد ناراضی کے عالم میں نکل گئے تھے اور وہ صدمے کی حالت میں وہاں کھڑی رہ گئی تھی۔

اُس کا باپ اُسے کیا کہہ کر گیا تھا اور اتنی بڑی بات..... تاجور کا دل کسی نے مٹھی میں مسلا تھا۔ ایک لمحہ کے لئے اُسے بہت ہیبت آئی تھی مگر پھر اُس کی ضد اور غرور نے اُسے آکٹوپس کی طرح اپنے شکنجے میں لے لیا۔

''کسی کمی کمین کے سامنے تاجور نہیں جھکے گی بابا جان۔'' اُس نے جیسے دل میں فیصلہ کر لیا تھا۔

☆.....☆.....☆

''آج میں نے موتیا کو دیکھا۔'' اپنے کمرے میں جوتے اُتارتے مراد کو جیسے کرنٹ لگا تھا۔

اُس نے برق رفتاری سے پلٹ کر ماہ نور کو دیکھا تھا جو سنگھار میز کے سامنے بیٹھی ہوئی اپنے زیورات اُتارتی ہوئی آئینے میں مراد کو دیکھ رہی تھی۔ اُس کا خیال تھا مراد اب اُس سے پوچھے گا کہ کہاں یا ناراض ہو کر کہے گا کہ کیوں۔ مراد نے دونوں میں سے کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ اُس نے لحظ بھر کے لئے ماہ نور کو دیکھ کر دوبارہ اپنے جوتے اتارنے شروع کر دیئے تھے۔

''وہ بیمار لگ رہی تھی دادا جان کے پاس دُعا کروانے آئی تھی۔'' ماہ نور پھر بھی کہے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

مراد پھر ٹھٹکا تھا پھر اس بار اس نے ماہ نور کو پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ ماہ نور کو حیرت ہوئی محبوبہ کا ذکر ہوا اور عاشق اتنا بے نیاز۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا وہ مزید کیا کہے اس کی مشکل مراد نے آسان کر دی تھی۔

''آج پہلی اور آخری بات موتیا کا نام تمہاری زبان پر آیا ہے۔ دوبارہ کبھی میرے سامنے موتیا کا نام بھی مت لینا۔'' جوتے اُتارنے کے بعد وہ اُٹھ کر کھڑا ہوا تھا اور سرد مہری کے ساتھ اُسے کہتے ہوئے کمرے کے ساتھ ملحقہ باتھ روم میں چلا گیا تھا۔

''میں نام نہ لوں اور تم نام کا کلمہ پڑھتے رہو!'' ماہ نور مدھم آواز میں بڑبڑائی تھی۔

اُسے لگا تھا مراد نے کسی مکھی کی طرح اُسے اپنے اور موتیا کے بیچ سے نکال دیا تھا۔ پر وہ کیڑا مکوڑا نہیں تھی وہ انسان تھی جلنے بجھے والا، غم کرنے والا، یاد رکھنے والا، کھوجنے والا..... کیا ہوا تھا مراد اور موتیا کے بیچ کہ مراد نے اُسے اپنی زندگی سے نکال پھینکا تھا اور صرف نکالا نہیں تھا کسی اور کو اُس کی جگہ بھی دے دی تھی۔ ماہ نور کو اب یہ کھوجنا تھا اور ہر قیمت پر کھوجنا تھا۔

☆.....☆.....☆

مراد چند دنوں بعد واپس انگلینڈ چلا گیا تھا اُسے اپنی ڈگری مکمل کرنی تھی۔ واپسی کے سفر میں تانگے میں بیٹھے اُسے اپنے آنے کا سفر یاد آیا تھا جو اُس نے برستی بارش میں تانگے پر ''کسی'' کے ساتھ کیا تھا کسی سے بے خبر بیٹھے..... اُسے موتیا کے بارے میں کچھ خبر نہیں تھی وہ کیسی تھی، کیسی نہیں۔ کیا کر رہی تھی کیا نہیں۔ اُس کا خیال تھا وہ واپس شہر چلی گئی ہوگی اپنی میڈیکل کی تعلیم پوری کرنے۔

پر موتیا واپس شہر ڈگری کے لئے نہیں جا سکی تھی۔ گاموا اور اللہ وسائی اُسے علاج کے لئے شہر، گاؤں، ہر جگہ لے کر پھرتے رہے۔ کہیں سے شفا مل جاتی کہیں سے اُس کی زبان کا تالہ کھل جاتا۔ وہ پہلے کی طرح ہنستی اُن کی زندگی میں رونق واپس آ جاتی۔

کسی ڈاکٹر، حکیم، پیر کو موتیا کی بیماری سمجھ نہیں آئی تھی۔ کوئی موتیا کو شفایاب نہیں کر سکا تھا۔ وہ طوفان گاموا اور اللہ وسائی کی پوری زندگی تباہ و برباد کر کے چلا گیا تھا۔ گاموا نہ گاؤں والوں کو پانی پلاتا تھا نہ چوہدریوں سے دانے لیتا تھا وہ ریلوے اسٹیشن پر قلی کا کام کرنے لگا تھا۔ بوجھ اُٹھانا، کسی کے رزق کے احسان اٹھانے سے بہتر تھا۔ جو کچھ وہ کما کر لاتا وہ موتیا کے علاج پر خرچ ہو جاتا۔ گاموا حق باہو کا کلام بھی نہیں پڑھتا تھا۔ وہ جب پڑھنے لگتا تو اُس کے گلے کو پھندہ لگ جاتا تھا۔ وہ زار زار روتا۔

''یا اللہ اولاد نہ دیتا خالی گود رکھتا یا اس بڑھاپے میں اولاد کا غم نہ دیتا!''

اُس نے اب اپنے گناہوں کی معافی مانگنا بھی چھوڑ دی تھی۔ توبہ کرنی بھی چھوڑ دی تھی۔ اُسے لگتا

تھا وہ اب اتنا گناہ گار ہو چکا ہے کہ کچھ بھی کر لینا اُس کی بخشش نہیں ہونی تھی۔ اُس کو اللہ اگر بخشش اور موتیا کی صحت میں سے کوئی ایک چیز چننے کے لئے کہتا تو گامو آنکھیں بند کر کے موتیا کی صحت چن لیتا۔ پر اُس کو اللہ نے زندگی میں کوئی انتخاب کا حق دیا ہی نہیں تھا یا کم سے کم گامو کو یہی لگتا تھا۔

چوہدریوں کے گھر نئے مہمان کی خوشخبری تھی اور یہ خبر پورے گاؤں کے ساتھ گامو اور اللہ وسائی کے گھر بھی پہنچی تھی اور اس خبر نے گامو اور اللہ وسائی کو اور غمگین کر دیا تھا۔ چوہدریوں نے ظلم کیا تھا پھر بھی وہاں سب کچھ ٹھیک تھا اور وہ موتیا کا علاج کراتے کراتے بھی تھک گئے تھے۔ وہ دونوں میاں بیوی اب ایک دوسرے سے بھی بات نہیں کرتے تھے بس وہاں بیٹھے موتیا کو دیکھتے رہے جہاں وہ بیٹھی رہتی۔ اُن کے گھر اب خاموشی اور سناٹا گونجتا تھا۔ نہ اللہ وسائی گھر سجاتی تھی نہ فرش پیتی تھی نہ چادریں کاڑھتی تھی۔ اُس گھر میں صرف موتیا گونگی نہیں ہوئی تھی اُس کے ماں باپ بھی ہو گئے تھے جن کی سانس موتیا کے دم سے چلتی تھیں۔ اور اُس گھر میں جو کچھ ہو رہا تھا اس کی خبریں حویلی بھی پہنچتی تھیں۔

گاؤں کی عورتیں تاجور کو موتیا کی حالت کے بارے میں بتایا کرتی تھیں اور تاجور انہیں توبہ کرنے کے لئے کہا کرتی تھی۔ وہ ببانگ دُہل کہا کرتی کہ یہ سب کے لئے عبرت کا مقام ہے۔ اپنی اوقات سے اونچے خواب دیکھنے کا نتیجہ۔ عورتیں اس کی ہاں میں ہاں ملاتی تھیں پھر بعد میں اس کی بُرائی بھی کرتیں۔ تاجور کے علاوہ اس گاؤں میں کوئی ایسا نہیں تھا جو موتیا کے ساتھ یہ سب ہونے پر خوش ہوتا۔ گاؤں کے مرد چوہدری شجاع کو بھی گامو کے حالات سے آگاہ کرتے رہتے۔

چوہدری شجاع نے چند بار گامو کو حویلی بلانے کی کوشش کی۔ وہ اُس کی مدد کرنا چاہتا تھا تاکہ موتیا کا علاج ہو سکے مگر گامو اس کے لاکھ بلاووں پر بھی حویلی نہیں آیا۔ وہ رستے میں بھی کہیں چوہدری کو دیکھ لیتا تو راستہ بدل لیتا آمنے سامنے ہی نہ ہوتا۔ چوہدری شجاع کو گامو اور موتیا کے حوالے سے رنج تھا مگر وہ اب اس کی تلافی کے لئے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ چند بار اُس نے حویلی سے گامو کے لئے اناج بھیجا۔ وہ اناج گامو نے اُسی طرح واپس بھیج دیا۔ چوہدری شجاع بھی پیر ابراہیم کی طرح تاجور کو سمجھانے سے قاصر تھے۔ جو آج بھی موتیا سے شدید نفرت کرتی تھی کیونکہ اس کا خیال تھا کہ موتیا کی وجہ سے اُس کے گھر میں دراڑیں پڑ گئیں تھیں۔ زندگی میں پہلی بار اُس کا باپ اور شوہر اس سے ناراض ہوئے تھے۔ اور انہوں نے اسے بُرا کہا تھا۔

چوہدری مراد کے گھر آنے والے نئے مہمان کی خوشخبری نے یک دم حویلی میں ہر ایک کی توجہ بٹا دی تھی۔ موتیا کے حوالے سے ہونے والی وہ بحث جو اکثر اوقات چوہدری شجاع اور تاجور کے درمیان رہتی

تھی وہ یک دم بند ہوگئی تھی۔ چوہدری شجاع حویلی کی نئے سرے سے تزئین وآرائش کروانے لگا تھا کیونکہ یہ چوہدریوں کی اگلی نسل کا استقبال کرنے کی تیاری تھی۔

مراد کو بھی تاجور نے اسی خوشی اور جوش وخروش سے اس خوشخبری کے بارے میں بتایا تھا۔اور پھر فون ماہ نور کو دے دیا تھا۔مراد نے ماہ نور کو مبارکباد دی تھی اور اپنا خیال رکھنے کا کہا تھا۔ ماہ نور نے ہمیشہ کی طرح جی کہا تھا اور مراد کو اُس کے بعد اس سے کچھ کہنے کے لئے لفظ نہیں مل رہے تھے۔اُس کے اور ماہ نور کے درمیان یہ ہمیشہ ہی ہوتا تھا۔ وہ چند دنوں بعد ماں باپ کی خیر خیریت پوچھنے کے لئے فون کرتا اور جب تاجور فون ماہ نور کو تھماتی تو اُسے دوسرے سے تیسرا جملہ نہ آتا۔ ماہ نور اس سے کچھ بھی سننے کے لئے ترس گئی تھی۔

وہ اتنے فاصلے پر تھا کہ وہ اس سے شکایت بھی نہیں کرسکتی تھی کیونکہ وہ بہت مختصر وقت کے لئے فون کرتا تھا۔ پر ماہ نور وہ ساری شکایتیں تاجور سے کرتی تھی جو ہر وقت اُسے یہی کہتی کہ اولاد ہوتے ہی سب ٹھیک ہوجائے گا اور اب اولاد کی خوش خبری بھی ملی مراد کی چپ اب بھی نہیں ٹوٹی تھی۔ ماہ نور بددل ہوئی تھی۔ کچھ دور بیٹھی اُسے خاموشی سے فون کان سے لگائے دیکھتے ہوئے تاجور نے خوشی خوشی شوہر سے کہا تھا۔

''دیکھا اولاد کی خوشخبری سنتے ہی کتنی لمبی باتیں کرنے لگا ہے اُس سے! کب سے فون کان سے لگائے بیٹھی ہے۔'' چوہدری شجاع نے مسکراتے ہوئے ایک نظر دور بیٹھی ماہ نور کو دیکھا تھا جو فون کان سے لگائے دوسری طرف کی طویل خاموشی میں کسی لفظ کی آہٹ کھوجنے کی جستجو کررہی تھی، پر مراد چپ تھا۔

اپنے کمرے کی کھڑکی کے باہر ہوتی بارش کو دیکھتے ہوئے اُس کی آنکھوں کے سامنے ایک بار پھر موتیا کی پرچھائیں لہرانے لگی تھی۔ اور یہ دن اور رات میں کئی بار ہوتا تھا۔ وہ یہاں آکر اُسے زیادہ یاد آنے لگی تھی جہاں اُس کے آس پاس نہ اس کے ماں باپ تھے نہ ماہ نور پر وہ ہوتی تھی۔ مراد کو کئی بار لگتا تھا وہ بے غیرت تھا ورنہ کوئی کسی بے وفا کے لئے تو یوں نہ تڑپتا۔ وہ بار بار اپنے سامنے وہ رات لاکر کھڑی کرلیتا جب اس نے موتیا کے ساتھ سعید کو دیکھا تھا۔ اور ہر بار غصے سے پاگل ہوجانے کے بعد اُسے یقین ہوتا کہ ''وہ'' اب تو کبھی یاد آئے گی ہی نہیں۔ پر وہ پھر آکر سامنے کھڑی ہوجاتی۔ پانی پیتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیتی۔ کھانا کھاتے ہوئے اس کے منہ میں لقمے ڈالنے لگتی۔ وہ کوئی پھول دیکھتا تو اُسے موتیا یاد آتی وہ کوئی خوشبو لگاتا تو وہ خوشبو موتیا کی خوشبو میں بدل جاتی۔

''کچھ وقت گزرے گا پھر سب ٹھیک ہوجائے گا۔'' وہ بار بار خود کو تسلی دیتا۔

جو پوری دُنیا کے ساتھ ہوتا تھا اُسے یقین تھا کہ اُس کے ساتھ بھی وہی ہوگا۔ وقت سب کچھ بھلا دے گا بس کچھ وقت لگے گا۔ اور دل اس کی ساری تاویلیں اور بہانے سنتے ہوئے بس ایک ہی بات پوچھتا رہتا۔

''کتنا وقت؟..... چند ہفتے، مہینے، سال۔''

مراد دل کی بات کا کیا جواب دیتا جو ایک طرف اس کو بھول جانے کی مدت پوچھتا تھا دوسری طرف اس سے جدائی کی ساعتیں گنتا رہتا تھا۔

☆.....☆.....☆

''بتول تو اب آئی ہے تو کسی دن میرے ساتھ چل اب آئی ہے تو موتیا سے ملنے چلتے ہیں۔'' شکوراں نے بتول سے کہا تھا جو اُس کے پاس کئی مہینوں بعد رہنے کے لئے آئی تھی۔

''میں ایک آدھ بار گئی ہوں ان کی طرف پر مجھ سے تو ملتی ہی نہیں اللہ وسائی۔ مجھے پھر بھی بڑا ترس آتا ہے ان پر..... جوان بیٹی پاگل ہو جائے تو اس کا غم بہت بھاری ہوتا ہے اور بیٹی بھی موتیا جیسی۔'' بتول شکوراں کی باتیں سن رہی تھی پھر پاگل کے لفظ پر جیسے چونکی تھی۔

''کس نے کہا کہ پاگل ہوگئی؟''

''ڈاکٹروں نے..... گاموشہر لے کر گیا تھا اُسے پر شہر کے ڈاکٹروں کو سمجھ ہی نہیں آئی اس کی بیماری۔ انہوں نے کہا کہ پاگل ہوگئی ہے اسے اب کچھ یاد نہیں..... یاداشت ختم ہوگئی ہے اس کی۔'' شکوراں نے گاؤں میں سنی سنائی باتیں بیٹی کو بھی سنا دی تھیں اور وہ اب بے قراری کے عالم میں اپنی انگلیاں چٹخانے لگی تھی۔

''پاگل کیسے ہو سکتی ہے اماں؟ موتیا تو.....'' اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ ماں کو اُس کے پاگل نہ ہونے کی کیا دلیل دے۔

''ہو جاتا ہے بندہ پاگل جب کوئی دھوکا دے دے۔ پاگل ہونے کے لئے کون سی لکھت پڑھت کرنی پڑتی ہے۔'' شکوراں کا سادہ سے لہجے میں کہا گیا جملہ تیر کی طرح بتول کے دل پر لگا تھا۔

''دھوکہ تو اُسی نے دیا تھا اُسے پر اُسے یہ پتا تو نہیں تھا کہ موتیا اس غم کو اس طرح.....'' بتول سوچتی اور انگلیاں چٹخاتی رہی۔

''اور بتول تو نے کسی ڈاکٹر کو دکھانا تھا سعید کے ساتھ اتنی بار تو شہر گئی ہے تو۔ کوئی خوشخبری آجاتی تیری بھی۔ اتنے مہینے ہوگئے ہیں۔ اب تو گاؤں والے پوچھتے ہیں مجھ سے۔ تیرے ساتھ ہی شادی ہوئی

تھی ماہ نور بی بی کی اور کتنی جلدی گود ہری ہوگئی ہے۔'' شکوراں نے اچانک ہی موضوع بدلا اور بتول بُری طرح چڑی۔

''بس کر اماں! ساس اور سسرال والوں نے بھی جان کھائی ہوئی ہے میری یہی کہہ کہہ کے۔ اب نہیں ہو رہا بچہ تو میں کیا کروں۔'' وہ بڑے غصے میں ماں سے کہہ کر صحن سے اُٹھ کر چلی گئی اور جیسے شکوراں کو فکر مند کر گئی۔

☆.....☆.....☆

''پھوپھو مجھے اپنے کمرے میں رات کو موتیا کی خوشبو آتی ہے۔ مجھے بڑا ڈر لگتا ہے۔'' ماہ نور کے حمل کے آخری مہینے چل رہے تھے جب ایک صبح اُس نے بڑی پریشانی سے تاجور کو بتایا تھا۔ تاجور پریشان ہوگئی۔

''مجھے کیوں نہیں بتایا تو نے پہلے میں تیرے ساتھ سو جاتی رات کو۔''

''بس ایسے ہی پھوپھو۔ میں نے سوچا وہم ہوگا میرا پر وہم نہیں ہے۔'' ماہ نور نے اُس سے کہا۔

''بیٹا وہم ہی ہوگا۔ اس حالت میں عورتوں کو عجیب عجیب خوشبوئیں آنے لگتی ہیں پر میں آج سے تمہارے ساتھ سویا کروں گی کمرے میں اور ساتھ پڑھائی بھی کروں گی۔ تم دیکھنا کچھ نہیں ہوگا وہم ہی نکلے گا تمہارا۔'' تاجور نے اُسے تسلی دی تھی اور ماہ نور نے مطمئن نظر آنے کی کوشش کی تھی۔

تاجور اُس رات اس کے ساتھ سوئی تھی اور آدھی رات کو وہ گہری نیند میں تھی جب ماہ نور نے اُس کا کندھا ہلا کر اُسے جگایا تھا۔ تاجور نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دی تھیں لیکن اُسے سمجھ نہیں آئی تھی کہ ماہ نور نے اُسے کیوں جگایا تھا۔

''پھوپھو موتیا کی خوشبو آ رہی ہے! آپ کو آ رہی ہے؟'' تاجور نے کہنے کی کوشش کی تھی کہ وہاں کوئی خوشبو نہیں تھی اور وہ ماہ نور کا وہم تھا پر یہ کہنے کے لئے منہ کھولتے ہی تاجور نے موتیا کی وہی خوشبو محسوس کی تھی۔ ماہ نور ٹھیک کہہ رہی تھی۔ کمرے میں موتیا کی خوشبو آ رہی تھی۔ تاجور اُٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ نیند یک دم کسی بھوت کی طرح غائب ہوگئی تھی۔

''کہاں سے آ رہی ہے یہ خوشبو؟'' تاجور نے عجیب بڑبڑانے والے انداز میں کہا تھا اور ماہ نور کو دیکھا تھا۔ جس کے چہرے پر خوف تھا۔ تاجور نے اُٹھ کر سردی میں بھی کمرے کی کھڑکیاں کھولنے کی کوشش کی تھی۔

''ابھی ہوا بھرے گی تو ٹھیک ہو جائے گا کمرہ۔'' تاجور نے ماہ نور کو جیسے تسلی دینے والے انداز میں

کہا تھا۔ ماہ نور نے جواباً تاجور سے کہا۔

''پھوپھو خوشبو اور بڑھ گئی ہے۔'' تاجور نے ایک گہرا سانس لے کر جیسے ہوا کو سونگھنے کی کوشش کی تھی۔ موتیا کی خوشبو اب واقعی تیز ہوگئی تھی۔ تاجور نے کھڑکیوں کے باہر جھانکنے کی کوشش کی۔ اُسے لگا شاید وہاں کوئی موتیا کے پودے ہوں گے وہاں کوئی پودا نہیں تھا۔

''پھوپھو موتیا کے پھول اس موسم میں نہیں نکلتے۔'' اس نے عقب میں ماہ نور کی آواز سنی تھی اور پلٹ کر اس کو دیکھا تھا۔ ہاں وہ تو یہ بھول ہی گئی تھی۔

''لوگ کہتے ہیں موتیا پاگل ہوگئی ہے مگر مجھے پورا یقین ہے یہ اپنے ماں باپ کے ساتھ بیٹھی جادو ٹونہ کر رہی ہے ہم پر۔'' تاجور نے طیش کے عالم میں کہا تھا۔ اُس کے ذہن میں جادو ٹونے کے علاوہ کسی چیز کا خیال ہی نہیں آ سکتا تھا۔

''تو آج سے مراد کے کمرے میں نہیں سوئے گی ماہ نور..... میں تیرے لئے دوسرا کمرہ تیار کرواتی ہوں۔ اللہ ایسے حاسد اور بدفطرت لوگوں کو تباہ کرے جو میری اگلی نسل پر نظریں گاڑے بیٹھے ہیں۔'' تاجور غضب کے عالم میں ماہ نور کا ہاتھ پکڑے مراد کے کمرے سے نکل گئی تھی۔ کمرہ اب بھی موتیا کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ سردیوں میں بھی وہاں موتیا کا راج تھا۔

☆.....☆.....☆

تاجور کو وہ خوشبو یاد رہی تھی اور جادو ٹونے کے حوالے سے اپنا وہم بھی۔ اُس نے مراد کا بیٹا پیدا ہونے پر گاؤں میں ڈھول والوں کے ساتھ مٹھائی کے ٹوکرے بھیج کر پورے گاؤں میں پھرنے کا اُنہیں کہا تھا اور اُنہیں خاص طور پر گاموکی گلی سے گزرنے کا کہا تھا۔

گاموکی گلی میں تقریباً ایک سال بعد وہ تماشہ پھر دُہرایا گیا تھا۔ ڈھولوں کی تھاپ پر گھنگھرو باندھ کر ناچتے خواجہ سرا گاؤں والوں کو پکڑ پکڑ کر مٹھائیاں کھلاتے اور گانے گاتے رہے جس میں چوہدریوں کی اگلی نسل کی زندگی اور عروج کی دُعائیں تھیں۔

گاموا اللہ وسائی اور موتیا کے ساتھ اپنے گھر کے دروازے بند کر کے بیٹھا باہر سے آنے والی اُن آوازوں اور ڈھول تاشوں کو سنتا ہوا موتیا کا چہرہ دیکھتا رہا۔ وہ شور بڑی دیر تک اُن کے گھر کے باہر برپا رہا۔

''اللہ کے گھر انصاف نہیں ہے اللہ وسائی۔''

اس رات اس نے زندگی میں پہلی بار اللہ وسائی سے ''کفر'' کی بات کہی تھی اور اللہ وسائی اُسے جواباً

یہ بھی نہیں کہہ سکی کہ گامو کفر نہ بول۔

''ہاں گامو..... یا پھر ہم بھی اتنے گناہ گار ہیں کہ اللہ کا انصاف ہمارے لئے یہی ہے۔'' اُس نے جواباً گامو سے کہا تھا۔

''تو گناہ گاروں کو تو مرجانا چاہیے..... چل اللہ وسائی ہم مرجاتے ہیں۔'' اللہ وسائی نے بے یقینی سے اُسے دیکھا تھا۔

''تو اور میں؟'' اُس نے اب بھی شوہر سے یہ نہیں کہا تھا کہ تو کیسی باتیں کر رہا ہے۔

''نہیں موتیا بھی۔''

اللہ وسائی اور وہ ایک دوسرے کا چہرہ دیکھتے رہے پھر اللہ وسائی نے اُس سے کہا۔

''موتیا کو کون مارے گا؟'' گامو اس کا چہرہ دیکھتا رہا پھر اُس نے کہا۔

''تُو!''

☆.....☆.....☆

UA BOOKS